

قرآن و سنت میں باہمی تعلق

چند اہم مباحث

ڈاکٹر محمد امین ☆

منہاج ہدایت میں سنت کا مقام

قرآن و سنت میں باہمی تعلق کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس منہاج کو سمجھیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے اختیار فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے ایک انسان کو لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ پھر اس پیغمبر کے پاس اپنی کتب بھجواتا ہے اور دیگر طریقوں سے بھی اس کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اسے ایسی حکمت اور عقل و دانش عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچا سکے، حسب ضرورت ان کی وضاحت کر سکے اور ان احکام پر عمل کر کے لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کر سکے تاکہ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبر کے ان تمام اعمال اور سرگرمیوں میں اس کے ہر قول و فعل کے صحیح اور برحق ہونے کی ذمہ داری لیتا ہے تاکہ پیغمبر کی مخاطب امت اس یقین و اطمینان کے ساتھ اس کی پیروی کر سکے کہ پیغمبر جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ ہر حالت میں صحیح اور اللہ تعالیٰ کی منظوری کا حامل ہے اور وہ کبھی کوئی بات اپنی خواہش اور مرضی سے نہیں کہتا (۱)

مندرجہ بالا مختصر بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ کی کتب کی اہمیت مسلم ہے تاہم صرف کتب لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر خلی کتب لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کون سا مشکل کام تھا کہ وہ ہر آدمی کے پاس کتب بھجوا دیتا اور یوں لوگوں پر اتمام حجت ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ جو انسان کے خالق ہیں وہ اس کی ضروریات کو بہر طور دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ پہلے پیغمبر کو بھیجا اور پھر اس پر کتب نازل فرمائی۔ ہدایت کے اس منہاج میں پیغمبر کی اہمیت کے بنیادی ہونے کے چار پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیغمبر اللہ کی کتب کے مندرجات لوگوں تک پہنچاتا

ہے اور اس طرح ذات الہی کے اور اک و عرفان اور اس کی کتاب کے ابلاغ کا سبب بنتا ہے۔ دوم یہ کہ کوئی کتاب خواہ کتنی ہی ضخیم کیوں نہ ہو بہر حال اتنی مفصل نہیں ہو سکتی کہ عملی زندگی کی ہر چھوٹی بڑی بات وضاحت سے اس میں بیان ہو سکے اس لئے پیغمبر کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں لوگوں کی رہنمائی کر سکے۔ سوم یہ کہ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ کتاب کے علاوہ بھی وحی بھیج کر پیغمبر کی رہنمائی فرماتا ہے اور اسے ایسی حکمت و دانش بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ کتاب کے اصولی احکام سے اخذ و استنباط کر سکے اور وہ تفصیلی احکام بتا سکے جو کتاب میں مذکور نہیں ہیں۔ ہدایت کے منہاج میں پیغمبر کے کردار کی چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے عملی نمونہ پیش کرتا ہے تاکہ لوگ آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے کیونکہ انسانی زندگی اتنی عملی مشکلات کی حامل اور پیچیدہ ہے کہ محض لکھی ہوئی محدود ہدایات اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ انہی اسباب کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے پہلے پیغمبر بھیجتا ہے اور پھر لوگوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس پیغمبر کا کہا مانو، اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو تو پھر ہی تمہیں ہدایت اور میری خوشنودی حاصل ہوگی (۲)۔

گویا انسانوں کی ہدایت اس امر پر موقوف ہے کہ وہ رسول کو مانیں، اس پر نازل ہونے والی کتاب کو مانیں، پیغمبر اس کتاب کی جو تشریح کرتا ہے اس کو مانیں اور اس کے علاوہ بھی جو حکم دے اس کو مانیں اور بلاچون و چرا اللہ کے رسول کی اطاعت کریں گویا پیغمبر کتاب کا مبلغ بھی ہے اور مبین بھی۔ نیز وہ شارع بھی ہے اور مطاع بھی اور اس کی یہ چاروں حیثیتیں تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم میں مذکور ہیں:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک.....

(المائدہ ۵: ۶۷)

اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلوا علیہم آیاتہ.....

(آل عمران، ۳: ۶۴)

اللہ نے اہل ایمان پر یہ احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا ہے جو اللہ کی آیات انہیں سنانا ہے۔

رسول بحیثیت مبین

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون
(النحل، ۱۶: ۴۴)

ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرو جو ان کے لئے اتاری گئی ہے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

هو الذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیہم ایتہ و یرکبہم
و یعلمہم الکتاب والحکمۃ

(المجموعہ، ۶۳: ۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سنانا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک اللہ ولا
تکن للکافرین خصیما

(النساء، ۴: ۱۰۵)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔

رسول بحیثیت شارع

..... یامرہم بالمعروف وینہہم عن المنکر ویحل لہم الطیبات و
یحرم علیہم الخبائث و یضع عنہم اصرہم والاغلل الی کانت
علیہم.....

(الاعراف، ۷: ۱۵۷)

یہ (پیغمبر) انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لئے پاک

چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

.....وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا.....

(الحشر، ۵۹: ۷۷)

اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔

رسول بحیثیت مطاع

ياايهاالذين آمنوا اطيعواالله واطيعواالرسول ولا تبطلوااعمالكم

(محمد، ۳۳: ۳۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال کو برباد نہ کر لو۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما

(النساء، ۴: ۶۵)

تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کبھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربہ سر تسلیم کر لیں۔

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم

الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضللا ميينا

(الاحزاب، ۳۳: ۳۶)

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنا کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ

صریح گمراہی میں پڑ گیا

اب آئیے دیکھیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان قرآنی احکام پر کسی طرح عمل کرتے تھے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ حضور کے ہر حکم کو وحی پر مبنی سمجھتے تھے۔ قرآن بھی چونکہ لسان رسالت مآب پر جاری ہوتا تھا اس لئے اس کی وضاحت آپ خود فرما دیتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب کا حکم ہے اسے الگ لکھ لیا جائے۔ ورنہ اطاعت کے حوالے سے صحابہ کرام نے کبھی اس میں تمیز نہیں کی کہ آپ جو حکم دے رہے ہیں وہ قرآن کا حکم ہے یا وحی غیر متلو یا آپ کے اجتہاد پر مبنی ہے وہ آپ کے ہر حکم پر عمل کرنا ایمان کا بنیادی تقاضا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے جب مدینہ آنے کے بعد انصار کو کھجوروں کو پیوند لگاتے دیکھا تو اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے پیوند لگانا چھوڑ دیا تو فصل کمزور ہوئی۔ معاملہ آپ کے علم میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں کسی دینی معاملے میں اللہ کی رہنمائی سے کوئی بات کہوں تو مانو، ورنہ یہ دنیوی امور تم خود بہتر سمجھ سکتے ہو (۳)۔ حضرت حباب بن منذر نے جنگ بدر میں لشکر کے پڑاؤ کے مسئلے پر بات کرنے سے پہلے پوچھا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ کا ذاتی انتظامی فیصلہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ جنگی حکمت عملی کی رو سے فلاں جگہ پڑاؤ کے لئے زیادہ موزوں ہے تو آپ نے ان کی رائے قبول فرمائی (۴)۔ حضرت بریرہ کے واقعہ میں (۵) اور جنگ خندق کے موقع پر انصاری سرداروں نے بھی یہی طرز عمل اختیار فرمایا (۶)۔ صحابہ کرام کی اطاعت رسول کی تو یہ کیفیت تھی کہ حضور نے سونے کی انگوٹھی اتار چھینکی تو صحابہ نے بھی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں (۷)۔ حضور نے نماز کے دوران جوتے اتارے تو سب نے اتار دیئے (۸)۔ تحویل قبلہ کے موقع پر نماز پڑھتے ہوئے حضور نے رخ پھیرا تو بغیر وجہ جانے اور پوچھے سب صحابہ نے رخ پھیر لیا (۹)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جسم گدوانے والی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا کہ یہ قرآن کا حکم ہے۔ ایک عورت نے کہا قرآن ہم بھی پڑھتی ہیں اس میں تو نہیں ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ نے فرمایا ہے تو گویا قرآن ہی کا فرمان ہے۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ وما اتاکم الرسول فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتهوا (المحشر ۵۹: ۷۷) (۱۰)۔

یہ تو حضور کی زندگی میں تھا اب حضور کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے ہدایت کا راستہ یہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں کتاب اللہ اور آپ کی سنت کی

طرف رجوع کریں کیونکہ اب آپ کے قول، فعل اور تقریر کی اطاعت ہی سے آپ کی اطاعت ہو سکتی ہے جو حکم خداوندی بھی ہے اور ہدایت کا ذریعہ بھی۔ چنانچہ امت اس امر پر متفق ہے کہ دین اسلام کے ماخذ دو ہی ہیں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے رسول کی سنت۔ حضور کی سنت کے حجت و سند ہونے سے اگر کسی نے کبھی انحراف کی کوشش کی ہے تو جمہور امت نے ہمیشہ اسے ضلالت و گمراہی سمجھا ہے۔ ہاں، اہل علم کے درمیان اس امر میں بعض اوقات اختلاف ہوا ہے کہ کوئی مخصوص قول یا فعل جو حضور سے منسوب کیا جا رہا ہے آیا حضور سے اس کا انتساب صحیح بھی ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ جو بات حضور نے فرمائی ہے وہ بحیثیت پیغمبر دائمی تشریحی نوعیت کی ہے یا کسی عارضی اور مقامی نوعیت کے مسئلے میں آپ نے بطور حاکم و منتظم یا بحیثیت حج وہ بات ارشاد فرمائی تھی لیکن اس طرح کا اختلاف اہل علم میں کبھی مذموم نہیں رہا اور علماء ان امور میں آزادانہ دلائل دیتے اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی امت اس بات پر بھی متفق رہی ہے اور آج بھی ہے کہ کوئی مسلمان بقائم ہوش و حواس اور بقائم ایمان یہ جرات نہیں کر سکتا کہ اس کے علم میں یہ بات آئے کہ حضور نے فلاں حکم دیا ہے اور وہ یہ کہے کہ میں اسے نہیں مانتا یا اس پر عمل نہیں کروں گا۔ یا کوئی یہ کہے کہ حضور کا کام محض قرآن پڑھنا دینا تھا اور اب ہم آزاد ہیں کہ (حضور کی سنت سے صرف نظر کرتے ہوئے) جیسے چاہیں قرآن کی تفسیر کر لیں اور جیسے چاہیں ان پر عمل کر لیں۔

تفسیر قرآن میں سنت کا مقام

قرآن و سنت کے باہمی تعلق کی ایک جت کتاب اللہ کی تفسیر کی بھی ہے اور اس میں جو

پہلو زیر بحث آسکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ قرآن حکیم کی تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے؟
 - ۲۔ قرآن حکیم کی تفسیر کے حوالے سے حضور کی سنت کا مقام کیا ہے؟
 - ۳۔ حضور نے قرآن کی جو تبیین فرمائی ہے اس کی حدود اور دائرہ کار کیا ہے؟
- تبیین و تشریح کی حدود کہاں ختم ہوتیں اور کہاں ملتی ہیں اور ایک امتی کے مفسر قرآن اور حضور کے مبین قرآن ہونے میں کیا فرق ہے؟

ہم یہاں ان امور میں جمہوریت امت کا مسلک بھی بیان کریں گے اور ان غلط فہمیوں کی

طرف اشارے بھی کرتے جائیں گے جن میں بعض لوگ سوء فہم سے جتلا ہو گئے ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم کی تفسیر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی تفسیر خود نہیں کرتا تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ متعلقہ امر میں حضورؐ نے کیا ارشاد فرمایا ہے یا اس معاملے میں آپؐ کا عمل کیا رہا ہے؟ پھر یہ دیکھا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے اسے کیسے سمجھا اور اس پر کیسے عمل کیا ہے؟ پھر عربی زبان کے قواعد، سلف صالح کی آراء اور جدید علوم سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں قرآن حکیم کی تفسیر عصری اسلوب میں کی جائے۔ چنانچہ علوم القرآن اور اصول تفسیر پر لکھنے والے مسلم مفکرین نے یہ بات وضاحت سے کہی ہے کہ قرآن کی تفسیر میں (خود قرآن کے بعد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی تفسیر کا پہلا اور بنیادی ماخذ ہے۔ چنانچہ زرکشی نے برہان میں اور سیوطی نے اتقان میں کہا ہے کہ تفسیر کے بنیادی ماخذ چار ہیں۔ پہلے درجے میں سنت رسولؐ، پھر اقوال صحابہؓ، پھر لغوی بحیثیں اور آخر میں تفسیر سے متعلق دیگر علوم اور مہارتیں (۱۱)۔ ابن تیمیہ نے یہ بات کہنے کے بعد کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد سنت ہی تفسیر کا بنیادی ماخذ ہے اور اس کے بعد اقوال صحابہ کا درجہ ہے، یہ کہا کہ جو کوئی اس طریق تفسیر کو چھوڑتا ہے اس کے غلط بلکہ بدعتی ہونے میں کوئی کلام نہیں (۱۲) اور امام راغب اصفہانی نے مقدمہ تفسیر میں کہا ہے کہ جو تفسیر کا قصد کرے اسے چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرے اور مکائد نفس خصوصاً "عجب سے بچے جو ہر فساد کی جڑ ہے اور جس کی وجہ سے آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ فہم قرآن میں صحابہ سے بھی بڑھ گیا ہے (۱۳)۔ شاطبی نے بھی الموائقات میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سنت سے صرف نظر کر کے صرف لغت پر انحصار کر کے تفسیر کرتے ہیں (۱۴)۔

یہاں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالسنہ کے حوالے سے ایک انتہائی اہم بات سے بعض لوگ صرف نظر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اس امر کا فیصلہ کون کرے گا کہ قرآن کی کون سی آیت کسی دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے؟ ظاہر ہے یہ فیصلہ مفسر ہی کرے گا اور مفسر یہ فیصلہ اپنی ذاتی رائے سے کرے گا لہذا ایسی تفسیر اسی صورت میں قابل قبول ہوگی جب وہ حضورؐ کی سنت کے مطابق ہو کیونکہ قرآن کو تو سنت پر اولیت حاصل ہے کسی عام مسلمان کی "تفسیر قرآن" کو نہیں۔ لہذا تفسیر القرآن بالقرآن کی رو سے بھی قرآن حکیم کی ایسی تفسیر قابل قبول نہیں ہو سکتی جو متعلقہ آیت کی حضورؐ کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہو۔ اور یہی مفہوم ہے بعض محدثین کے اس قول کا کہ السنۃ قاضیہ علی الكتاب (۱۵) مطلب یہ کہ قرآن کے مفہوم و مدعا کا جو تعین سنت کرتی ہے وہ فیصلہ کن اور حتمی ہے اور کوئی مسلمان اس کے خلاف نہیں جاسکتا۔ یہی بات

ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں 'خطیب بغدادی نے الکلفیہ میں اور شافعی نے الرسالہ میں کسی ہے (۱۱)۔ اس موقع پر اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ متعلقہ روایت کا حضورؐ کی طرف استناد صحیح نہیں ہے تو یہ ایک الگ بحث ہوگی جس کا سنت کی اتھارٹی سے کوئی تعلق نہیں اور محدثین نے حدیث کی چھان پھنگ کے جو اصول و قواعد وضع کر رکھے ہیں انہیں عمل میں لایا جائے گا۔ ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر قاتل اہل ذرائع سے یہ ثابت ہو جائے کہ قرآنی آیت کے مفہوم کا تعین حضورؐ نے کیا ہے تو وہ حتمی ہے اور اس کے خلاف کوئی نقطہ نظر قاتل قبول نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس میں عربی زبان کو بنیادی اہمیت دی جائے خصوصاً زبانہ جاہلیت کی اس کلاسیک عربی کو جو نزول قرآن کے وقت رائج تھی اور پھر یہ لوگ عربیت کو بنیاد بنا کر قرآن کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تفسیر کا یہ طریقہ بھی غلط ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی متن کی تشریح میں لغوی ہمیش بنیادی اہمیت رکھتی ہیں اور قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے اس عربی کی طرف رجوع ناگزیر ہے جو نزول قرآن کے وقت عربوں خصوصاً قریش کی زبان تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عربی زبان کی اہمیت کو اس قدر بڑھا دیا جائے کہ سنت رسولؐ بھی پیچھے رہ جائے۔ جو مفسرین عربیت کی بنیاد پر کسی قرآنی آیت کی ایسی تفسیر کریں جو خلاف سنت ہو تو ان پر اعتراض بجا محسوس ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان کے ماہر نہ تھے یا نعوذ باللہ یہ مفسرین رسول اکرمؐ سے زیادہ عربی زبان پر دسترس رکھتے ہیں۔ اسی لئے اسلاف میں سے بعض جلیل القدر اہل علم نے کہا ہے کہ جو شخص عربیت کی بنیاد پر ایسی تفسیر کرے جو سنت رسولؐ کی تخلیط کرتی ہو وہ گویا تفسیر بالرائے کرتا ہے [جو شرعاً] سخت مذموم ہے اور جس کے فاعل کو نبی کریمؐ نے کفر، گمراہی اور جہنم کی وعید سنائی ہے [۱۷]۔ چنانچہ قرطبی اپنی تفسیر کے مقدمے میں کہتے ہیں کہ تفسیر القرآن بالرائے المذموم کے دو محل ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی شخص ایک رائے رکھتا ہو اور وہ عمداً قرآنی آیات کو موڑ توڑ کر ایسی تفسیر کرے جس سے اس کی ذاتی رائے کی تائید ہوتی ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص عربیت کی بنیاد پر قرآن کی ایسی تفسیر کرے جو نقل اور سماع کے خلاف ہو [۱۸]۔ اسی رائے کا اظہار غزالی نے احیاء العلوم میں کیا ہے [۱۹] اور اسی سے ملتی جلتی بات طبری نے اپنی تفسیر میں کسی ہے [۲۰]۔ ہمارے عہد میں اسی

طرح کی تفسیروں کی مثل ان مفسرین کی تفسیریں ہیں جو صوم و صلوة جیسے لفظوں کے معنی بھی لغت سے کرتے ہیں (۲۱) یا جو رجم جیسی سنت ثابتہ کے بھی اس مفہوم کا انکار کرتے ہیں جو سنت سے ثابت ہے (۲۲) اور دوسرے بہت سے مسائل میں بھی اسی بناء پر جمہور امت سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

قرآن کی تفسیر کے حوالے سے سنت رسول کا صحیح مقام یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تفسیر سے متعلق حضورؐ کا کوئی حکم مل جائے تو وہ حرف آخر اور حجت قطعی ہے۔ اس پر کوئی رائے زنی نہیں کی جاسکتی اور اس کے خلاف کوئی تعبیر نہیں کی جاسکتی۔ گویا سنت رسولؐ تفسیر قرآن کا اولیٰ اور بنیادی ماخذ ہے اور ان لوگوں کی رائے غلط ہے جو اسے دوسرے یا تیسرے درجے کا فروعی اور ظنی ماخذ سمجھتے ہیں (۲۳)۔ کیونکہ یہ بات حضورؐ کے بنیادی مقاصد بعثت میں سے ہے کہ آپؐ لوگوں تک قرآن پہنچائیں اور اس کی شرح و وضاحت کر کے لوگوں کو قرآن سمجھائیں اور سکھائیں۔ حضورؐ قرآن کی تبیین و تشریح کس طرح کرتے تھے؟ حضورؐ کے حالات اور احادیث میں تذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا طریق تبیین یہ تھا کہ آپؐ اس غرض کے لئے اس وحی سے مدد لیتے تھے جو آپؐ پر قرآن کے علاوہ بھی نازل ہوتی تھی۔ آپؐ اللہ کی دی ہوئی بصیرت و دانش سے اجتناب بھی کرتے تھے اور اس کے علاوہ خود قرآن سے اخذ و استنباط بھی فرماتے تھے۔ حضورؐ کے یہ سارے اعمال وحی کی قوت تصویب کی موجودگی کی وجہ سے دین و شریعت کا ایک جزو اور اپنے استناد میں قطعیت رکھتے ہوئے امت کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضورؐ کے بعد اب اگر امت کا کوئی اہل علم قرآن کی تفسیر و تشریح کرنا چاہے تاکہ لوگوں کو قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو تو اس کے ماخذ تفسیر میں سے پہلا اور بنیادی ماخذ حضورؐ کی سنت ہونی چاہیے اور دوسرے ماخذ کی باری بعد میں آئے گی کیونکہ حضورؐ نے کسی آیت کی تفسیر میں جو کچھ فرما دیا ہے وہ حجت قاطعہ ہے، وہ دین ہے، وہ دوسرے مفسرین کی آراء کی طرح محض ایک تفسیری رائے نہیں ہے لہذا ان لوگوں کی رائے صحیح نہیں ہے جو سنت رسولؐ کی تفسیر قرآن کا بنیادی ماخذ سمجھنے کی بجائے اسے محض ظنی یا فروعی ماخذ سمجھتے ہیں اور اسے ام ساجدہ کے اخبار یا تاریخی واقعات جتنی اہمیت دیتے ہیں (۲۳)۔

تبیین کا دائرہ عمل

بعض لوگ حضورؐ کی تبیین کے دائرہ کار کی تحدید کی کوشش کرتے ہیں اور تشریح کو اس

سے الگ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جہاں قرآن خاموش ہو وہاں تو حضورؐ کے احکام تشریح ہیں لیکن جہاں قرآنی حکم موجود ہو وہاں حضورؐ کے احکام محض تمیین ہی تشریح نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ کہ حضورؐ قرآن کی کوئی ایسی تمیین نہیں کر سکتے جس سے قرآن میں بظاہر موجود حکم سے الگ اور اس پر زائد کسی نئے حکم کا اضافہ ہوتا ہو یا اس میں کمی ہوتی ہو کیونکہ یہاں اگر نئے حکم کا اضافہ یا کمی تسلیم کر لی جائے تو یہ تمیین کی بجائے تغیر و تبدل کے مترادف ہو گا جو ناقابل تصور ہے۔

اس مغالطے کے چار جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کار رسالت کی تحدید کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے اور ہمیں رسول پر حکم کس نے بتایا ہے کہ ہم یہ فیصلہ کرنے بیٹھیں کہ رسول یہ کر سکتا ہے اور وہ نہیں کر سکتا؟ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق اور بلا کسی شرط و قید کے رسولؐ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ”وما آتاکم الرسول فخذوه“ اور فرمایا ”اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول“ کہیں کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ بات بڑی وضاحت سے کہی کہ رسولؐ کی کھل اطاعت نہ کرنا گمراہی ہے (۲۳)۔ یہ نفیض ایمان ہے (۲۵)۔ یہ مبطل اعمال ہے (۲۶) وغیرہ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپؐ کی زندگی میں وحی کا دروازہ کھلا تھا اور آپؐ کے اجتہاد کرنے کی صورت میں بھی آپؐ کی صحیح و تصویب کے لئے بوقت ضرورت وحی نازل ہو سکتی تھی (اور کئی معاملات میں ہوئی) (۲۷) تو اس امر کا کیا امکان ہو سکتا تھا کہ آپؐ قرآن کی ایسی تمیین فرما دیں کہ قرآنی الفاظ اس کے متحمل نہ ہو سکتے ہوں یا جو منشاء الہی کے مطابق نہ ہو بلکہ اس امکان کی طرف اشارہ کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے ناقابل تصور ہے کہ خدا نخواستہ آپؐ نے قرآن کی کوئی ایسی تمیین کی ہو جو الفاظ و مدعائے قرآن کے خلاف ہو اور جو تمیین کی بجائے تغیر و تبدل کے زمرے میں آتی ہو۔

اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ ہم ایسا قرآن اور لغت کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ہم اسے یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ قرآن ایک انسانی زبان میں اترا ہے اور لغت کے لحاظ سے ایک لفظ کے کئی مستعملات ہو سکتے ہیں لیکن ہم اس کے وہی معنی اختیار کریں گے جو پیغمبر نے بتائے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن اسی پیغمبر پر نازل ہوا تھا اور اسے ہی اللہ نے اس کا مکلف کیا تھا اور اسے اس غرض کے لئے ضروری صلاحیتیں اور وسائل مہیا کئے تھے کہ وہ اس کا صحیح مفہوم ہمیں بتائے۔ اگر یہ قرآن براہ راست ہم پر نازل ہو گیا ہوتا تو یقیناً ہم لغت کھول کر

بیٹھ جاتے اور اہل زبان کے روزمرہ اور محاورے کے ذریعے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن یہاں تو یہ حالت ہے کہ ہم تک قرآن اس پیغمبر ہی کے ذریعہ پہنچا ہے اور سمجھنے والے نے اس کے ذریعے اسی لئے سمجھوایا ہے کہ یہ پیغمبر ہمیں اس کا مفہوم و معنی بتا دے اور اس پر عمل کر کے دکھا دے لہذا ہمارے لئے اس قرآن کو سمجھنے کا صحیح طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم پیغمبر کی طرف رجوع کریں نہ یہ کہ قرآن اور لغت کھول کر بیٹھ جائیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ پیغمبر کا دائرہ تمہیں کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ تمہیں و تشریح کی لفظی بحث سے باہر نکل کر دیکھنے کی اصل چیز یہ ہے کہ کیا پیغمبر قرآنی نصوص کی تمہیں کرتے ہوئے ایسے احکام کا اثبات نہیں کرتے جو کوئی دوسرا شخص محض لغت و اجتہاد کی بنیاد پر نہیں کر سکتا۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے، اور ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج سے لے کر سیاسی و معاشی تعلیمات، عائلی و سماجی زندگی، حدود اور قصاص دت جیسے قوانین، غرض دین کا سارا ڈھانچہ بنا ہی حضورؐ کے ایسے احکام کی وجہ سے ہے جن کے بارے میں قرآن حکیم میں تفصیلات نہیں دی گئیں اور نہ لغت کی بنیاد پر اور نہ قیاس و اجتہاد سے ان احکام کا اثبات کیا جا سکتا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ان احکام کو تمہیں کہا جائے یا تشریح۔ اہم بات یہ ہے کہ ان احکام کا منبع رسولؐ کی ذات ہے اور ہمیں رسولؐ کی مطلق اور بلاچون و چرا اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ پیغمبر کے کار دعوت و رسالت کو مختلف خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ پیغمبر جب تمہیں کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ تشریح نہیں کر سکتا کیونکہ پیغمبر ہر وقت پیغمبر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے کثرت سوال سے منع کیا (۲۸)۔ اور ایک صحابی کے یہ سوال کرنے پر کہ کیا حج ہر سال فرض ہے آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں اس کا جواب ہاں میں دے دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم اس پر عمل نہ کر سکتے (۲۹)۔ اس واقعہ سے حضورؐ کے تیسینی اور تشریحی دائرہ عمل کو سمجھا جا سکتا ہے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبر کی تمہیں قرآن کو ایک عام امتی کی تفسیر کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کی تمہیں فرماتے ہیں اور اس تمہیں کے نتیجے میں جو نئی اور زائد چیز سامنے آتی ہے وہ مسلمانوں کے لئے حجت اور سند ہوتی ہے کیونکہ وہ تشریح ہوتی ہے، وہ وحی کی تصویب لئے ہوئے ہوتی ہے، وہ دین اور شریعت کا ایک جزو ہوتی ہے۔ اس کے برعکس

ایک عام مفسر جب قرآن کی تفسیر کرتا ہے تو وہ محض مفسر ہوتا ہے وہ شارع نہیں ہوتا لہذا وہ قرآن کی تفسیر تو کر سکتا ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ دین میں کسی زائد اور نئی چیز کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو حضورؐ کی تبیین کے خلاف ہو۔ بلاشبہ وہ قرآن کی ایسی تفسیر کر سکتا ہے جو سابق مفسرین نے نہ کی ہو لیکن اگر اس کی یہ تفسیر اس تبیین کے خلاف ہو جو حضورؐ نے کی ہے تو وہ رد کر دی جائے گی کیونکہ حضورؐ کی اختیار کردہ تبیین دوسرے مفسرین کی تفسیری آراء کی طرح محض ایک تفسیری رائے نہیں ہے بلکہ نبی برہم ہونے اور وحی کی قوت تصویب کی موجودگی کی بناء پر دین بن چکی ہے جب کہ ایک عام مفسر کی تفسیری رائے محض ایک رائے ہوتی ہے جو مسلمان اس کو اوافق بالقرآن والسننہ سمجھتا ہے قبول کر لیتا ہے اور جو نہیں سمجھتا وہ رد کر دیتا ہے۔ یہ وہی فرق ہے جو ایک پیغمبر اور غیر پیغمبر میں ہوتا ہے۔

اس وقت تک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت رسولؐ کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کسی کے انفرادی اور شخصی فہم کے مطابق قرآن کے خلاف ہے یا لغت کے خلاف ہے بلکہ کسی حدیث کو قبول نہ کرنے کا صرف یہی عذر قتل قبول ہو سکتا ہے کہ عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ یہ حدیث، حدیث رسولؐ نہیں ہے یا حضورؐ کی طرف اس کا اشتہار قتل اجتناب نہیں ہے۔ اگر کوئی روایت کے اصولوں کے حوالے سے یہ کہے کہ کوئی خاص حدیث اس لئے قتل قبول نہیں ہے کہ وہ خلاف قرآن یا خلاف عقل ہے تو اس کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں۔ مزید یہ کہ اس بارے میں کوئی شذو رائے قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ دین آج کہیں سے اچانک نازل نہیں ہو گیا بلکہ چودہ سو سال سے ہمارے پاس موجود ہے۔ ان طویل صدیوں میں مختلف علاقوں اور زمانوں میں نہایت متقی اور انتہائی ذہین لوگوں نے اپنی عمریں اس دین کو سمجھنے سمجھانے، اس پر غور کرنے اور اس کی درس و تدریس میں لگائی ہیں۔ ہم اس قتل فخر علمی روایت، اس کے تسلسل اور جمہور امت کے طرز عمل سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی ایسی شذو رائے کو آج قبول نہیں کر سکتے جو دین کے بنیادی ماخذ کی نقیض و تنقیض اور استخفاف پر منتج ہوتی ہو۔ بلاشبہ اسلام اجتہاد اور علمی و فکری آزادی کا علم بردار ہے لیکن علمی و فکری آزادی اور اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کی بنیادوں کو مٹھوک ٹھہرایا اور متروک قرار دیا جائے۔ سنت رسولؐ ہمارے دین کی بنیاد ہے یہ کوئی جزوی یا فروعی مسئلہ نہیں ہے کہ اسے مشق ستم بنانا قتل قبول گردانا جائے۔

سنت اور عصر حاضر

یہاں کسی شخص یا گروہ کا نفسیاتی تجزیہ مقصود نہیں ہے لیکن یہ سوال قابل غور ضرور ہے کہ جب بھی امت مسلمہ پر ایسی فکری اور تمدنی یلغار ہوتی ہے جس کی بنیاد وحی کی بجائے عقل پر ہو تو سنت رسول ہدف کیوں بنتی ہے؟ ماضی میں یونانی مفکر کے حملے نے معتزلہ کو جنم دیا جنہوں نے ساری دینی فکر، عقائد اور اقدار کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا۔ سنت ہدف اس لئے بنتی ہے کہ وہ دین کا تفصیلی نقشہ گری کرتی ہے۔ بیرونی افکار سے مرعوب ذہن جب عقلی بنیادوں پر رو قبول کا تیشہ چلاتا ہے یا اپنی فکر کے مطابق دینی ترجیحات کا از سر نو تعین کرتا ہے یا عصری مسائل کا حل تجویز کرتا ہے تو سنت اس میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس کا بہترین حل اسے یہ نظر آتا ہے کہ قرآن کو سامنے لایا جائے کیونکہ اگر وہ خود اپنی رائے سے یا عصری حوالے سے یا عقلی تقاضوں کی دہائی دے کر سنت کو رد کرے تو کوئی اس کی بات نہیں سنے گا لہذا وہ قرآن کو بنیاد بنا کر پیش کرتا ہے۔ دو وجوہ سے ایک تو اس لئے کہ قرآن کا درجہ بہر حال سنت سے بڑا ہے اور اس کی عظمت اور تقدیس مسلمہ ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن اکثر اوقات تفصیلات سے بحث نہیں کرتا بلکہ اصولی رہنمائی دیتا ہے اور ان اصولوں کی اپنی من پسند توجیہ آسانی سے کی جا سکتی ہے اور اسے قرآنی فکر کہہ کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ عصر حاضر میں بھی بعض افراد اور گروہوں کا رویہ ایسا ہی ہے۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سنت کے اثبات اور اس سے استناد کے حوالے سے علمی اختلاف کی گنجائش ہمیشہ موجود رہی ہے اور اب بھی ہے اور یہ ہرگز قابل مذمت نہیں لہذا بحث و تحقیق میں ان دونوں رویوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حواشی

- ۱- ہدایت کا یہ بیکیج قرآن کی بے شمار آیات سے ثابت ہوتا ہے مثال کے طور پر دیکھئے البقرة ۲: ۲۱۳، النساء ۴: ۶۳، الانعام ۶: ۹۰، النحل ۱۶: ۳۶، بنی اسرائیل ۱۷: ۳، الاحزاب ۳۳: ۲۱، المجاذ ۲۳: ۶۳، النجم ۵۳: ۳۔
 - ۲- العرمان ۴: ۳۱، الثورئی ۵۲: ۵۲، اور المحشر ۵۹: ۷۔
 - ۳- صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب ۳۸، حدیث نمبر ۲۳۶۲ (ج ۱۵، ص ۱۷۰، طبع موستہ القرطبہ)
 - ۴- ابن حجر العسقلانی الاصابہ فی تمييز الصحابة، ج ۱، ص ۳۵۲، طبع احیاء التراث العربی، بیروت
 - ۵- صحیح البخاری مع فتح الباری، ج ۹، ص ۳۰۸، طبع دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور (کتاب السلاطین حدیث ۵۲۸۳)
 - ۶- ابن کثیر، البداية والنهاية، ج ۳، ص ۱۰۶، طبع دارالمدین للتراث، القاہرہ، ۱۹۸۸ م، سیرة ابن ہشام، ج ۳، صفحہ ۷۰۷۔
 - ۷- صحیح بخاری مع فتح الباری، ج ۱۳، ص ۲۷۲، طبع سابق (کتاب الاعتصام بالسنة حدیث نمبر ۷۲۹۸)
 - ۸- سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۲۶، ۳۲۷، طبع مطبعہ دارالحدیث بیروت (کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۶۵۰)
 - ۹- فتح الباری، ج ۱، ص ۵۰۳، طبع سابق
 - ۱۰- صحیح بخاری، ج ۷، ص ۲۱۳، طبع مکتبہ العارف، الرياض (کتاب اللباس باب المتنصتات)
 - ۱۱- السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۳، ص ۲۰۷، طبع طہران
 - ۱۲- ابن تیمیہ، مقدمہ اصول التفسیر، ص ۲۸-۳۱، طبع المکیہ العلیہ، لاہور
 - ۱۳- راغب اصفہانی، مقدمہ التفسیر، ص ۶۰۶، طبع نور محمد اصح المطابع، کراچی
 - ۱۴- الشاطبی، المواضع، ج ۳، ص ۲۰، دار المعرفہ للطباعہ والنشر، بیروت
 - ۱۵- سنن داری، ج ۱، ص ۱۳۵، مطبع الاعتدال بدمشق ۱۳۳۹ھ
 - ۱۶- ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۱۹۱، ادارہ الباعثہ المنیریہ۔
- اس حوالے سے بعض جلیل القدر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قرآن متن ہے اور سنت اس کی شرح اور ظاہر ہے تعین معنی ہیں متن شرح کا محتاج ہوتا ہے نہ کہ شرح متن کی والفظ "القرآن" احوج الی السنة من السنة الی القرآن " اور یہ کہ متن کو شرح کی ضرورت ہو تو شرح ہی حتمی ہوتی ہے نہ کہ متن والفظ: (خطیب بغدادی) الکفایتہ فی علم الروایہ، ص ۱۶، طبع حیدرآباد، ۱۳۵۷ھ۔

اور یہ کہ انہی معنوں میں قرآن کا نسخ سنت سے جائز ہے اور سنت کا نسخ قرآن سے جائز نہیں (بعد والی وحی ہونے کی وجہ سے)

(الشافعی، الرسالة، ص ۱۰۰، تحقیق احمد شاکر، طبع مصطفیٰ البابی، الحللی مصر)

- ۱۷- سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۴۰۲۲ (ج ۴، ص ۲۶۸، طبع المکتبہ السلفیہ بالمدينة المنورة، ۱۹۶۳ م
- ۱۸- القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص ۳۱-۳۲، دار الکتب العربی للعلوم والنشر، ۱۹۶۷ م
- ۱۹- غزالی، احیاء علوم الدین، ص ۳۰۰، طبع مصطفیٰ البابی الحللی مصر، ۱۹۳۹ م
- ۲۰- ابن جریر البصری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن فی تفسیر آیہ ۴۹، سورہ یوسف، جزء ۱۲، طبع مصطفیٰ البابی، الحللی واولادہ، مصر، ۱۹۵۴ م
- ۲۱- پرویز، لغات القرآن، ج ۳، ص ۱۰۳۴، ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۴۱ م
- ۲۲- امین احسن اصلاحی، تدر قرآن، ج ۴، ص ۵۰۱، و بعد، طبع مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ م
- جاوید احمد غامدی، میزان، ص ۱۳۳، و ما بعد طبع دار الاشراف، لاہور، ۱۹۸۵ م
- ۲۳- اصلاحی، تدر قرآن، دباچہ (جلد اول، ص ۱۳، ۱۴، ۳۰)، طبع نارمان فاؤنڈیشن، لاہور
- ۲۴- الاحزاب ۳۳: ۳۶
- ۲۵- النساء ۴: ۶۵
- ۲۶- محمد ۳۳: ۳۳
- ۲۷- اور یہ بات خود قرآن سے بھی ثابت ہے۔ دیکھئے مثال کے طور پر البقرہ ۲: ۱۴۳، الانفال ۸: ۷، الحشر ۵۹: ۵، التحریم ۶۶: ۳
- ۲۸- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر ۱۳۳۷، (ج ۱۵، ص ۱۵۹) طبع مؤسسة قرطبہ
- ۲۱- سنن نسائی، کتاب الحج، حدیث نمبر ۲۶۲۰ (ج ۲، ص ۱) طبع المکتبہ السلفیہ، لاہور۔